بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

- درسِ قرآن
- درسِ حدیث
- خطبات و بیانات
- رفتارِ کار
- دینی مسائل

اداریہ

پائیدار امن کے لیے ایک نئے ویژن کی ضرورت

میرے تایا جان اور میرے مرشد

حضرت رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا
دورۂ سرگودھا، میانوالی اور بنوں

مارچ 2014ء / جمادی الاولیٰ 1435ھ – جلد نمبر 6، شمارہ نمبر 3 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے – سالانہ ممبرشپ: مبلغ 200 روپے – تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 500 روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ایک صاحب سے گفتگو میں فرمایا: ''انسان کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے اندر اخلاقِ حمیدہ پیدا کرے اور ذمائم سے دور رہے۔ اور یہ چیز ایسے شخص کی صحبت اٹھانے سے حاصل ہوتی ہے، جس کے اخلاق اور نفس کی اصلاح ہو چکی ہو۔ مگر صحبت میں دو چیزیں شرط ہیں: ایک تو شیخ سے محبت ہو اور عناد ہرگز نہ ہو اور ایک ذکرِ الٰہی۔ صرف صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا۔ الا ما شاء اللہ۔ کیوں کہ آج کل والوں کی صحبت ایسی قوی نہیں کہ حضورؐ کی طرح اثر کرے۔ اس لیے ذکر بڑا ضروری ہے۔ صحبت اگر ہوگی تو آدمی شیخ کے اخلاق میں سے جذب کرے گا اور یہ جذب کرنا' ایک طبعی خاصہ ہے کہ عناد (مخالفت) سے خالی محبت آمیز صحبت کا یہ اثر ہونا ہی ہوتا ہے۔''

ان صاحب نے ذرا اونچی تصوف کی اصطلاح میں باتیں شروع کیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ: ''اتنی اونچی پرواز ہماری نہیں ہے۔ بس ہم تو سیدھا سادھا یہ ہی سمجھتے ہیں کہ صحبتِ شیخ جو عناد (مخالفت) سے پاک ہو، اس میں جتنی محبت ہوگی' اتنی ہی ترقی ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب بھی جو پیدا ہوتی ہے، وہ شیخ کی طلب سے حصہ ملتا ہے اور اخلاق بھی وہیں سے اسی راستے سے جذب کرتا ہے، مگر اپنی استعداد کے موافق جذب کرتا ہے۔ جتنی اس میں کمی' اتنی اس میں کمی۔ اور اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔''

(مجلس 8 /محرم الحرام 1366ھ / 3 /دسمبر 1946ء، منگل۔ مقام: لاہور) (ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 26-125۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111, 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

سماجی تشکیل میں تعلق مع اللہ اور مساکین کی تنظیم کی اہمیت

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۝ (74:46-42)

(تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لا ڈالا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے۔ اور ہم جزائے اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے۔)

آخرت میں اصحابِ یمین، جنت میں پہنچ جاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پالیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ غور کرتے ہیں کہ اب جو لوگ عذاب میں مبتلا ہیں، وہ کیوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ چناں چہ وہ جہنمیوں سے ان کی ناکامی کے اسباب دریافت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ:

''تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لا ڈالا؟'' جس مجرم کو اس کی سزا ملنے کے وقت یہ علم نہ ہو کہ اسے کس جرم میں سزا مل رہی ہے، اسے اس سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہنم میں پہنچ کر مجرم خود ہی جان لیں گے کہ انھیں کس کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ سزا اور جرم میں خاص مناسبت ہوگی۔ چناں چہ مجرم اپنے جرائم آپ (خود) بتاتے ہیں کہ:

(1) ''ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔'' یعنی سعادت انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے، جو اتحادِ فکر، اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کی انتہائی معراج، تعلق باللہ ہے۔ یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خداشناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے۔ تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے، انسانِ کبیر —— امام نوعِ انسانی —— کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان، انسانیت کے تقاضوں کو اللہ کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے تابع مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے۔

(2) ''اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔'' جب ہم اپنے نفس کی ضرورت ''تعلق باللہ'' کو بھلا بیٹھے تو پھر دوسروں کی ضرورت کا بھی احساس ہم میں مردہ ہو گیا۔ نماز کے ذریعے سے اپنے خالق کے ساتھ تعلق نہ جوڑا۔ خدمتِ خلق کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کیا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرنے کی کوشش نہ کی اور عام لوگوں کی مادی اور عقلی ضرورتیں پوری کرنے کا جتنا سامان ہم کر سکتے تھے، وہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ ''مسکینوں کو کھانا کھلانا'' کے معنی یہ نہیں کہ بھیک منگے پیدا کیے جائیں، بلکہ یہ کہ بے کار لوگوں کو تعلیم اور کام کے ذرائع بہم پہنچا کر سوسائٹی کا مفید رُکن بنایا جائے۔

(3) ''اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے۔'' ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دور اَز کار بحثوں میں پڑ گئے اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حال آں کہ چاہیے یہ تھا کہ بے کاروں کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انھیں علم دیتے۔

(4) ''اور ہم جزائے اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے۔'' یہ سب کچھ اس لیے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن (قیامت) کا یقین نہ رکھتے تھے۔ اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جواب دہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

حکومت کی ذمہ داریاں

عن جابرٍ، قال: لمّا مات رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و جاء ابابکرٍ مالٌ من قِبلِ العلاء الحضرمیّ. فقال ابوبکر: "من کان لہٗ علٰی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم دَین أو کانت لہٗ قبلہ عدۃٌ فلیأتنا." قال جابر: فقلتُ: وَعَدنی رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم ھٰکذا و ھٰکذا و ھٰکذا، فبسط یدیہ ثلاث مرّاتٍ. قال جابر: فحثٰی لی حثیۃً، فعددتُھا. فإذا ھی خمس مأۃ و قال: "خذ مثلیھا."

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی اور ابوبکرؓ کے پاس علاءؓ الحضرمی (جنھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا) کے پاس سے مال آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''جس کا رسول اللہ پر کچھ قرض ہو یا آپؐ نے کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کیا ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔'' جابرؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اتنا اور اتنا مال دینے کا وعدہ کیا تھا اور تین دفعہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر بتایا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ: حضرت ابوبکرؓ نے مال میں سے ایک لپ بھر کر مجھے دیا۔ میں نے جو گنا تو پانچ سو تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''اتنا ہی دو دفعہ اور لے لے۔'')

(مشکوۃ شریف. کتاب الآداب. باب الوعد. الفصل الاوّل)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول بھی تھے اور اُمت کے سردار بھی۔ آپؐ کے نمونہ اور عمل کے مطابق اس حدیث سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(1) مال داروں اور زمین داروں سے جو روپیہ گورنمنٹ زکوۃ، عشر اور خراج کے طور پر وصول کرتی ہے، اس کا مصرف کیا ہے؟

(2) مال خزانوں میں جمع کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے ہے۔

(3) گورنمنٹ کی مالی آمدنی میں سے پہلے وہ قرض چکانا چاہیے، جو پہلے حکومت نے لیا ہو۔

(4) وہ وعدہ بھی جو پہلی حکومت نے کسی سے کیا ہو، قرض ہی کی طرح ہے۔ اسے وقت پر پورا کرنا چاہیے۔

(5) گورنمنٹ کی مالی آمدنی میں سے ملازمین گورنمنٹ پہلے اپنی جیب بھرنے کی فکر نہیں کرتے، بلکہ اسے فیاضی کے ساتھ دوسروں میں حسبِ ضرورت بانٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اسی کو اپنا سب سے پہلا کام سمجھتے ہیں۔

(6) گورنمنٹ کے کارکن، گورنمنٹ کی رقم، مال داروں سے وصول کر کے مقررہ قاعدے کے مطابق دیانت داری سے حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیتے ہیں اور وہ انھیں فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔

اگر ہمارے شروع کے حاکم یہ رویہ اختیار نہ کرتے تو بعد میں لالچیوں نے تو انسانیت کا پٹڑا کر دیا ہوتا۔ باوجود ان کی اتنی احتیاط کے بھی دیکھ لو بعد میں کیا ہوا اور اب کیا ہو رہا ہے۔

آج کل میگا پراجیکٹس میں اربوں روپے حکومت کے کارندوں کے اختیارات میں ہوتے ہیں، جو انھوں نے عوامی کاموں کی ترقی اور بہبود پر خرچ کرنے ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان حکمرانوں میں پہلی سی دیانت داری نہیں رہی۔ جس کے سبب عوامی بہبود اور ترقی تو ادھوری رہ جاتی ہے، لیکن ان کے من پسند خاندان نواز دیے جاتے ہیں۔

www.rahimia.org

اداریہ

پائیدار اَمن کے لیے ایک نئے ویژن کی ضرورت

آج کل حکومت عسکری گروہوں سے مذاکراتی عمل کے ذریعے ملک میں ایک پائیدار امن کی تلاش اور کھوج میں مصروف ہے۔ ملک میں کئی سال سے جاری مسلسل دہشت گردی سے تنگ آئے عوام بھی اس سے کئی ایک امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، لیکن بوجوہ باشعور حلقے اس مذاکراتی عمل کو کامیاب ہوتا نہیں دیکھ رہے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ ہمارے ریاستی اداروں کی تخلیق کردہ وہ conspiracy theory ہے، جس کے باعث ہم نے حقائق کے برعکس ایسے نظریات کی آبیاری کی، جو محض دشمن کو شکست دینے کے لیے نظریۂ ضرورت کے تحت اپنائے گئے تھے۔ اور اس پر غیر ریاستی عناصر (Non state actors) کے مسلح گروہ تشکیل دے کر اپنی طاقت میں اضافہ کیا گیا تھا۔ اور ان کو تزویراتی اثاثے قرار دیا گیا۔ اس طرح ہمارے ملک کے ریاستی اداروں کے ساتھ مل کر مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے پورے معاشرے میں ایک ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ ریاستی نقطہ نظر ہی عوامی نقطہ نظر بنا دیا گیا۔ اب ہماری حکومت اور قومی عسکری ادارے موجودہ دہشت گردی اور خلفشار کی صورتِ حال سے نکلنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، لیکن معاشرے میں موجود بہت سی مذہبی، سیاسی اور حکومتی طاقتیں اپنے مفادات کو زک پہنچنے کے خوف سے سابقہ نقطہ نظر کو ترک کرنا نہیں چاہتیں۔ اسی لیے وہ ایسے پرائیویٹ مسلح گروہوں جن سے ان کے مفادات وابستہ ہوچکے ہیں، کے خاتمے پر گومگو کی کیفیت کا شکار ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر میڈیا میں کھلے عام ایک ایسی بحث کا آغاز کردیا گیا ہے، جس سے قوم مزید ذہنی اُلجھنوں اور کنفیوژن کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ پرائیویٹ مسلح گروہوں کی حمایت ایک طبقہ اپنے مزعومہ ''اسلام'' کے نام پر کر رہا ہے اور وہ ان کے نقطہ نظر کو دلائل اور استدلال فراہم کرکے سادہ لوح عوام کے دلوں میں ان کے لیے ہمدردی پیدا کر رہا ہے۔ جس سے ریاست کی کارروائی ان کے خلاف ظلم و زیادتی تصور کی جارہی ہے۔ اس طرح اس مذاکراتی عمل کے نتیجے میں امن قائم ہو یا نہ ہو، لیکن عوام کے دلوں میں مسلح عناصر کے بارے میں نرم گوشہ ضرور پیدا ہوجائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دونوں حلقے مذاکرات میں سنجیدہ نظر نہیں آتے۔ ان کی سنجیدگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں فریقوں (طالبان اور حکومت) نے مذاکرات کے لیے نمائندوں کا چناؤ اپنے ڈھانچوں سے کرنے کی بجائے باہر سے مذاکرات کاروں کا انتخاب کیا ہے۔ جب کہ حکومت کو مذاکرات کے لیے پارلیمنٹ اور طالبان کو اپنے تنظیمی ڈھانچے سے افراد کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔ اس پر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت نے مذاکرات کے لیے جن شخصیات کو نام زد کیا ہے، وہ قومی عسکری نقطہ نظر کی بجائے ہمیشہ پرائیویٹ عسکری گروہوں کے نقطہ نظر کو اپنی تقریروں اور تحریروں میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اس طرح یوں محسوس ہوتا ہے کہ مذاکرات کی ٹیبل پر دونوں طرف ایک ہی فریق بیٹھا ہے اور طالبان ہی طالبان سے مذاکرات میں مصروف ہیں۔

اگر بالفرض یہ مذاکرات بظاہر کامیاب بھی ہوجاتے ہیں تو ہمیں کسی مسئلے کے حل کی بجائے قوم کے لیے کسی نئی آزمائش کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ کیوں کہ دانش وروں کا جو طبقہ میڈیا میں عسکری گروہوں کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے، وہ اسلام کے نام پر صرف چند جزوی فقہی مباحث اور اختلافی امور کو زیرِ بحث لاتا ہے، جب کہ وہ اسلام کے پورے اور کل سیاسی اور معاشی نظام کی بات نہیں کرتا، جس سے سرمایہ دارانہ نظام کی نفی ہوتی ہے۔ ان مذاکرات کی کامیابی کے نتیجے میں اگر حکومت عسکریت پسندوں کے بعض مطالبات تسلیم کرلیتی ہے تو ایسی صورت میں اسلام کے نام پر سرمایہ داری نظام کے مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کی سعی نامشکور کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جس سے ایک مخصوص ذہنیت کو اسلام کے نام پر غریب عوام کے استحصال کرنے کے لیے چند سال اور مل جائیں گے۔

ہمارا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ مذاکرات نہیں ہونے چاہئیں اور قوم کو امن کی ضرورت نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں، سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ان مذاکرات کے نام پر کسی اور کے ایجنڈے کا حصہ نہیں بننا چاہیے اور ماضی کے اپنے رویے کو ترک کرکے خودساختہ نظریاتی خول سے باہر آجانا چاہیے۔ وہ لوگ جو دہشت گردی کی حمایت کے ذریعے انسانیت کے چراغ کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، اب ان کو قومی صفوں سے الگ کیا جانا چاہیے۔ ان کی شناخت ملک کے سیاسی نظام میں ایک رستے ہوئے ناسور کی سی ہونی چاہیے۔ تاکہ پوری قوم ان کے بارے میں یکسو ہوکر قومی جدوجہد کے ذریعے امن کے حصول کو ممکن بنا سکے۔

اس مذاکراتی عمل نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ شدت پسندی کے رُجحانات ہمارے قومی وجود میں کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت جاری مباحثے میں پورے ملک کی جماعتوں میں ایک واضح نظریاتی تقسیم نظر آرہی ہے۔ اور ہر باشعور پاکستانی دیکھ رہا ہے کہ کون کہاں کھڑا اور کیا کہہ رہا ہے۔ اگر اس مباحثے کے ذریعے چھپے ہوئے دشمن کی تلاش مقصود تھی تو وہ مقصد حاصل ہوچکا ہے۔ اس عمل سے کئی لبادوں میں چھپے لوگ اب بے نقاب ہوگئے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں دوہرے فکر و کردار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

ہمارے مقتدر حلقوں کو اس بات کا احساس بھی ہونا چاہیے کہ اب دہشت گردی چند مسلح گروہوں کا ہی مسئلہ نہیں رہا، بلکہ اس کے تانے بانے عالمی قوتوں کے مفادات سے جڑے ہوئے ہیں۔ امن کی بحالی میں ان قوتوں کے سامراجی اور سازشی کردار پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہماری مقتدرہ (Establishment) کو اپنی سابقہ conspiracy theory سے باہر آنا چاہیے اور ایک نئے نقطہ نظر (Vision) کو اپنانا چاہیے، جو نہ صرف ہماری ملکی و قومی سلامتی کی ضرورت ہے، بلکہ خطے کے ممالک کے ساتھ پائیدار اور پُرامن تعلقات کے لیے بھی ضروری ہے۔ اب ہمیں کسی عالمی گریٹ گیم کا حصہ بننے کے بجائے اپنے قومی مسائل پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے اور اپنے معاشرے کو درپیش چیلنجز کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ کیوں کہ سرد جنگ کے بعد ریاست کے عالمی اتحادی اب ریاست سے زیادہ ریاست مخالف قوتوں کے اتحادی ہیں اور وہ ایک تیر سے کئی ایک شکار کرنے کی تاک میں ہیں۔

کسی بھی ملک کی مقتدر قوتوں کی بنیادی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ عالمی استعمار کے مفادات کی پاسبانی کے بجائے آزاد خارجہ پالیسی بنائیں اور شدت پسندوں اور رجعت پسندوں کے حامیوں کے تسلط سے آزاد داخلہ پالیسی اپنائیں۔ جب کہ یہ بھی اہم ہے کہ ملک کو اقتصادی بدحالی، بڑھتی ہوئی غربت، مہنگائی، بدامنی اور لوڈشیڈنگ جیسے سنگین مسائل سے قوم کو نجات دلائیں۔ تب ہی ملک و قوم کو ترقی اور کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابع و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(مشائخ رائے پور اپنے اندازِ تربیت میں ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں، وہ ہمیشہ خلقِ خدا کی دینی اور اخلاقی تربیت میں انتہائی توجہ فرماتے رہے ہیں۔ اُن کے ہاں جہاں قلوب کی تطہیر اور صفائی کے لیے مجالس ہائے ذکر کا اہتمام رہتا ہے، وہاں ذہنوں کی آبیاری کے لیے علمی و فکری نشستوں اور اجتماعات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے پانچویں مسند نشین حضرت اقدس شاہ عبدالخالق رائے پوری مدظلہ کے بیانات اور خطبات کا خلاصہ اور رپورٹ پیش کیا کرتے ہیں۔ مدیر)

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 20/ستمبر 2013ء کو خانقاہ یٰسین زئی، پنیالہ، ڈیرہ اسماعیل خان کی جامع مسجد میں نمازِ جمعۃ المبارک سے قبل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن حکیم کی درجِ ذیل آیات:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (33:9)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (25:57)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "الإسلام يعلو و لا يعلٰى عليه."

کے تناظر میں گفتگو کرتے ہوئے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے:

معزز دوستو! دینِ حق کا نظام دنیا میں غالب کرنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپؐ نے اپنی تئیس سالہ حیاتِ مبارکہ میں انسانی معاشرے میں اس حوالے سے تبدیلی پیدا کی۔ پھر یہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور صحابہؓ کی اس اولوالعزم جماعت نے اگلے ساٹھ ستر سالوں میں پورے یورپ، افریقا اور ایشیا پر دینِ حق کی حکمرانی قائم کردی۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ نقل کی ہے کہ آپؐ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ فجر کی نماز پڑھانے کے بعد صحابہؓ سے پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ سلم نے صحابہؓ سے پوچھا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے دیکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اس کرۂ ارض کو میری ایک ہتھیلی پر لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ میں نے اس کرۂ ارض کے تمام مشرقی اور مغربی ممالک کا مشاہدہ کیا اور مجھے بتلایا گیا کہ تمہاری حکمرانی اور تمہارے دین کا غلبہ اس پورے کرۂ ارض پر ہوگا۔" ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ دین ہر گھر، ہر ماحول اور ہر معاشرے پر غالب ہوگا اور لوگ اُسے ہر حالت میں قبول کر کے رہیں گے۔" حضرت امیر معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ نقل کرتے ہیں: "الإسلام يعلو و لا يعلٰى عليه." (اسلام غالب آتا ہے، مغلوبیت کو قبول نہیں کرتا۔)

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ غلبہ دین آپؐ کی بعثت کا بنیادی مقصد تھا۔ یہ معلوم کرنا انتہائی اہم ہے کہ غلبہ دین سے کیا مراد ہے؟ سورۂ حدید کی ایک آیتِ مبارکہ نے یہ بات واضح کردی کہ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاؑ بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں؛ جیسے صحفِ ابراہیم، تورات، زبور، انجیل اور کتابِ مقدس قرآنِ حکیم۔ قرآن حکیمؔ آسمانی کتابوں کے نزول اور انبیاؑ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ کہ انسانیت عدل و انصاف پر قائم ہوجائے۔ گویا کہ تمام انسانوں میں بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ایک ایسے عدل و انصاف اور امن و امان کا نظام قائم ہوجائے جو تمام دنیا کے لیے امن، عدل، خوش حالی اور ترقی کا باعث ہو۔

تاریخ گواہ ہے، قرآن حکیم کی تعلیمات اس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جیسے ظالم کو راستے سے ہٹایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون، قارون اور ہامان جیسے انسانیت دشمنوں کو راستے سے ہٹا کر مظلوم بنی اسرائیلیوں کو ذلت اور رسوائی کے عذاب سے نجات دلائی۔ قرآن حکیم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بیان کیا ہے کہ "ہم نے ارادہ کیا کہ ہم انسانوں پر احسان کریں۔ وہ انسان، جن کو طاقت کے بل بوتے پر کمزور بنا دیا گیا۔" (سورت القصص۔ آیت 3) زمین میں جو کمزور ہیں، مزدور ہیں، کسان ہیں، پسے ہوئے لوگ، جن کے حقوق غصب کر لیے گئے، ان پر احسان کا ارادہ کیا۔ اور احسان بھی یہ کیا ہے کہ ہم ان کو حکمران بنا دیں اور انھیں ان کی زمینوں کا وارث بنا دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے دو مقاصد بیان کیے گئے ہیں کہ وہ مظلوموں، کمزوروں کو اٹھا کر حکمران بنائیں، یعنی ایسا سیاسی نظام قائم کریں، جو تمام انسانوں کے لیے عدل و مساوات کا ہو۔ اور ایسا معاشی نظام بنائیں، جو تمام انسانوں کی ضرورت کی کفالت کرے۔ قرآن حکیم نے حضرت داؤدؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے داؤد! تمھیں اللہ نے زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔ تمہاری حکومت قائم کی ہے۔ اس لیے تمام انسانوں میں آپ عدل و انصاف کی حکمرانی کے لیے فیصلہ کیجیے"۔ "فاحكم بين الناس" کہا ہے، تمام انسانوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرو۔ خواہ کالے، گورے، مشرقی، مغربی، کسی مذہب، کسی نسل، کسی خطے، کسی علاقے کے ہوں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی بات کا حکم دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ظالموں کے بارے میں کہا کہ "ان ظالموں پر شیطان مسلط ہوگیا ہے۔ اور انھوں نے اللہ کا حکم، اللہ کا ذکر، اللہ کا قانون بھلا دیا ہے۔" (سورت الحشر) اور ایسے لوگ جو اللہ کے قانون کو پس پشت ڈالتے ہیں، قرآن کہتا ہے: "شیطانی پارٹی ضرور خسارے میں ہے۔" اس آیت سے پہلے ارشاد فرمایا: "اللہ نے یہ بات لکھ دی کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔" چناں چہ مکے کے ان ظالموں کے مقابلے پر قرآن حکیم نے صحابہؓ کی خصوصیت بیان کی: "ایسی جماعت تم دنیا میں نہیں دیکھو گے کہ جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلے پر پوری دل جمعی کے ساتھ آجائے۔ خواہ وہ مقابلے پر آنے والے ان کے باپ، بیٹے، قبیلے کے لوگ ہوں، اور یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں پر ایمان لکھ دیا گیا۔" اور اس جماعت کے بارے میں قرآن نے کہا کہ یہ "حزب اللہ" ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ دین اسلام وہ واحد دین ہے، جو اپنی اقدار، اپنے قوانین، اپنے احکامات کا عملی نظام غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک طریقہ محض وعظ اور اصلاح کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اچھی بات، اچھے اخلاق، اچھی نصیحت کریں۔ پھر جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے، نہ مانے۔ عیسائیوں کے راہب نیکی اور بھلائی کا وعظ کہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے ہیں، اس میں وعظ بھی ہے اور وعظ کے ساتھ ساتھ جو حکم دے دیا جائے، اسے عملی طور پر غالب بھی کرنا ہے۔

قرآن نے ایک جگہ پر کہا: "تیرے ربّ کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتے،

www.rahimia.org

جب تک کہ یہ اپنے تمام کاموں میں آپؐ سے فیصلہ نہ کروائیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کے احکامات کے مطابق اپنے جھگڑوں کو نہ نپٹائیں، اور پھر دوسری بات یہ بھی بتا دی کہ ان کے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ ہو۔ دل کی تنگی سے بات ماننے کا عمل نہ ہو، بلکہ مکمل طور پر آپ کی بات کو مانیں اور تسلیم کریں۔ گویا کہ حضورؐ نے صرف وعظ ہی نہیں کیا کہ جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے، نہ مانے۔ ایسا نہیں، بلکہ جو کچھ آپؐ نے حکم دیا، اس کا نظام بھی قائم کیا۔ ورنہ تو دنیا کے بہت سے حکما، بہت سے فلاسفر، بہت سے عالم، بہت سے پنڈت، بہت سے گرجا چلانے والے پادری' لوگوں کے سامنے بڑی اچھی اچھی باتیں بیان کرتے ہیں۔

گویا کہ دین کے غلبے کا نظام قائم کرنا' مسلمان جماعت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ اور یہ نظام صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، بلکہ عدل وانصاف کا سیاسی نظام، امن وامان اور معاشی خوش حالی کا مجموعی نظام بلاتفریق رنگ ومذہب تمام انسانیت کے لیے ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے جیسے مسلمانوں کے لیے عدل وانصاف کا نظام قائم کیا، ایسے ہی یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ جمعہ کی نماز پڑھا کر مسجدِ نبوی سے باہر نکلتے ہیں تو ایک بوڑھا یہودی بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ اس کو بلا کر لاؤ، کیوں بھیک مانگ رہا ہے؟ ہم نے تو ہر آدمی جو ہماری ریاست میں رہتا ہے، اس کے ایک سال بھر کے کھانے کا خرچ اس کے گھر پہنچا دیا ہے۔ اس نے کہا کہ: میں کھانے پینے کے لیے بھیک نہیں مانگ رہا، مجھ پر حکومت کا ٹیکس ہے، وہ میں نے ادا کرنا ہے۔ جب تک میں جوان تھا، محنت مزدوری کرتا تھا، ٹیکس ادا کرتا تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا، محنت مزدوری نہیں کر سکتا۔ ایک سال کا خرچہ میرے گھر آچکا، اگر میں وہ ٹیکس میں ادا کروں تو کھانا کیا کھاؤں گا؟ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کو بمع شوریٰ اور امرا کے مسجدِ نبوی میں بلایا، ان سے مشورہ کیا اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ آج کے بعد کسی غیر مسلم بوڑھے، بچے، عورت اور ان کے مذہبی رہنما پر کوئی ٹیکس نہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جب بیت المقدس کا عیسائیوں سے قبضہ لیا تو عیسائیوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے جو صلح نامہ تحریر کیا، اس میں ایک شرط لگانا چاہی کہ پچھلے تین سو سال سے یہودیوں کا بیت المقدس میں داخلہ بند ہے، ہم مسلمانوں کے حوالے یہ شہر اس شرط پر کریں گے کہ آپ بھی یہودیوں کو اس شہر میں داخل نہ ہونے دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ: یہ شرط غیر منصفانہ ہے۔ یہ شہر تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہ شرط ہمیں منظور نہیں ہے۔ بیت المقدس کھلا شہر ہے، یہودی آئیں، عیسائی آئیں، مسلمان آئیں، یہ اُن کا سیاسی حق ہے۔ چناں چہ یہودیوں کو سب سے پہلے بیت المقدس میں داخل ہونے کی اجازت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے دی۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں دنیا میں سیاسی عدل، معاشی عدل قائم ہوا۔ غلبہ دین کا مطلب محض کسی خاص نسل یا کسی خاص مذہب کے لوگوں کے لیے حکومت نہیں، بلکہ تمام انسانیت کے لیے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ 610ء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی، اور 633ء میں مکہ مکرمہ سمیت جزیرۃ العرب پر حضورؐ نے حکمرانی قائم کی۔ 636ء میں حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس فتح کر کے پورے مشرقِ وسطیٰ پر حکمرانی قائم کی۔ اور اس کے اگلے دو سال بعد پورے ایران اور پورے قیصر روم کو شکست دے کر دنیا میں دین کے غلبے کا عالمی نظام قائم کیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ کسریٰ ایران کے مقابلے پر دریائے دجلہ کے کنارے پر موجود ہیں تو کسریٰ ایران نے پیغام بھیجا کہ عرب کے بدو اور دیہاتی کس لیے دنیا کی سپر طاقت سے لڑنے کے لیے آگئے؟ کسریٰ ایران، جس کی حکومت پورے عراق، ایران، افغانستان پر تھی اور ہندوستان، چین اور روس کے لوگ اس کو خراج دیتے تھے، مشرق کا حکمران، اس کے مقابلے پر صحابہؓ کی جماعت موجود ہے۔ اس نے پیغام بھیجا کہ آؤ بات چیت کرو کہ کس لیے آئے ہو؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی اجازت سے سعد بن ابی وقاصؓ نے سفرا بھیجے، ستائیس سفارتیں مذاکرات کی صورت میں کسریٰ ایران سے ہوئیں۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ کی سفارت جب پہنچی اور کسریٰ ایران سے گفتگو ہوئی، اس نے پوچھا کیوں آئے ہو؟ کیا مقاصد واہداف ہیں؟ مال ودولت چاہیے تو بتاؤ کتنا مال؟ ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ ربعی بن عامرؓ نے فرمایا کہ نہیں ہمیں اللہ نے بھیجا ہے۔ ہم اپنی ذاتی خواہش اور ذاتی مقصد کے لیے نہیں آئے۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی غلامی میں دینا چاہتے ہیں۔ نیز انسانیت کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر دنیا کی خوش حالی اور ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اور نظاموں اور مذاہب کے ظلم کو ختم کر کے عدل وانصاف کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ صحابہؓ ان مظلوم ایرانیوں کو ظالم ایرانیوں سے بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

انسانیت کے لیے دین حق کے غلبے کی بڑی مثال برعظیم پاک وہند ہے، جس پر محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مسلمانوں نے ہزار گیارہ سو سال حکمرانی کی، خاص طور پر محمود غزنوی کے بعد، جب کہ اس خطے کی اکثریت غیر مسلم تھی۔ یہاں کے مسلمانوں نے طاقت کے بل بوتے پر کسی سے زبردستی کلمہ نہیں کہلوایا۔ دینی تعلیمات کا جامع حکمران اورنگ زیب عالم گیر نے بھی ہندوستان کے سیاسی نظام میں کوئی تفریق نہیں رکھی۔ وہ شریعت کا عالم بھی ہے اور سلسلۂ نقشبندی کا صاحبِ نسبت بھی ہے۔ خواجہ معصوم عروۃ الوثقیٰ کا تربیت یافتہ ہے۔ طریقت کا ماہر بھی ہے۔ فقہ کا اتنا بڑا عالم ہے کہ علما کی ایک جماعت فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہے۔ جب کوئی فقہی مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے تو علمی حوالے سے آخری فیصلہ کن رائے اورنگزیب عالم گیر کی ہوتی ہے۔ اس نے یہ بات طے کر دی تھی کہ دین اسلام کا اجتماعی نظام سب انسانوں کے حقوق کا ضامن ہے۔

انگریزوں نے 1757ء میں اس ہندوستان پر سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کیا۔ اور 1849ء میں پورے پنجاب پر بشمول طورخم تک پورا علاقہ اور 1843ء میں سندھ پر قبضہ کیا۔ اس طرح پورے برعظیم پاک وہند پر موجودہ دور کے فرعون، شیطانی اور طاغوتی قوتوں نے قبضہ کر لیا۔ اپنے دو سو سالہ غلامی کے زمانے میں اس خطے کی انسانیت کو عدل سے محروم کر کے ظلم کا نظام قائم کیا۔ اس خطے کی انسانیت کو بدامنی، قتل وغارت گری، دہشت گردی، انسان دشمنی، بھوک وافلاس کے عذاب کے اندر مبتلا کر دیا۔

اس مغلوبیت کے زمانے میں انبیا کے سچے وارثین، علمائے ربانیین نے انبیا علیہم السلام والا کام یعنی دین حق کے غلبے کو قائم کرنے کی عظیم جدوجہد اور کوشش کی۔ لاہور کے گورنر مرزا قلیج بیگ کے نام ایک خط میں حضرت مجدد الفؒ ثانی نے لکھا ہے کہ علما اور صوفیا کو ظالم حکمرانوں کی شباہت اختیار نہیں کرنی۔ اور اگر موقع ملے تو ان ظالم حکمرانوں کو غلط کام سے روکنا چاہیے۔ شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کا بنیادی تصور اس خطے میں حضرت مجدد الفؒ ثانی نے دیا۔ اور پھر اس کام کی تکمیل مجدد صاحب کے صاحبزادگان اور ان کی تعلیمات کی اساس پر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ دہلوی اور پھر ان کے صاحبزادے حکیم الاسلام، حجۃ الاسلام، حضرت

الامام، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کی وضاحت اور تشریح کی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کردار یہ ہے کہ انھوں نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں شریعت کے بنیادی احکامات، اس کے قوانین، اس میں اجتہادی ملکہ حاصل کرنے کے صحیح طریقۂ کار کی نشان دہی کی۔ قرآن حکیم کو کیسے سمجھنا ہے؟ اس کے لیے اصولِ تفسیر پر کتاب "الفوز الکبیر" لکھی۔ قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے قرآن فہمی کا نیا انداز و اسلوب متعارف کرایا۔ اور پھر عربی زبان سے کسی بھی دوسری زبان میں قرآنی علوم کا ترجمہ کرنے کے اصول اور ضابطے "المقدمہ فی قوانین الترجمہ" میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے واضح کیے۔ احادیث کے فہم کا طریقہ مجدد صاحبؒ کی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا۔ "المسویٰ فی احادیث المؤطا" امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھی۔ "المصفّٰی" لکھی، حدیث فہمی کا طریقہ بیان کیا۔ فقہی قوانین کے فہم اور اس کے اسرار کے تعین کے لیے "حجۃ اللّٰہ البالغہ" لکھی۔ اور طریقت اور تصوف کے شعبے میں پانچ بنیادی کتابیں لکھ کر مجدد صاحبؒ کے بیان کیے ہوئے تصوف اور طریقت کی تلخیص، اس کے قوانین، اس کے ضابطے، اس کا طریقۂ کار وضع کیا۔ "سطعات"، "ہمعات"، "لمحات"، "الطاف القدس" اور "البدور البازغہ" لکھیں۔ اور پھر دین اسلام کی سیاسی و معاشی تعلیمات، انسانی سوسائٹی کی سیاسی تشکیل کے لیے قرآن کن اصولوں کی نشان دہی کرتا ہے، قرآنی اصولِ سیاسیات کیا ہیں، قرآنی اصولِ معاشیات کیا ہیں، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انھیں واضح کیا۔ اور یہی وہ بنیادی امور تھے، جن سے اس خطے کے ان مجددین نے انسانیت کو روشناس کرایا ہے۔ ان حضرات نے صرف تعلیم و تعلّم ہی نہیں کی، بلکہ اس پر ایک تحریک بھی پیدا کی۔ اعلان کر دیا: فکّ کلّ نظام۔ جو نظام، شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت پر مبنی نہ ہو، اس کو توڑ دو۔ انگریز سامراج کے خلاف آزادی کی یہ جنگ شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے شروع کی اور پھر انھی کی تربیت یافتہ جماعت حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے کردار ادا کیا۔

پھر امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی تربیت یافتہ جماعت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی قطب صمدانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے دور کے فرعون کے مقابلے پر انبیا علیہم السلام کی نبوت کے ان تینوں تقاضوں کی تکمیل کے لیے کردار ادا کیا۔ اور پھر یہ جدوجہد اگلے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام دراصل اسی ولی اللّٰہی فکر کی تعلیمات کی اساس پر ہے۔ اسی لیے دارالعلوم دیوبند کے ساٹھ سال تک مہتمم رہنے والے اور حکیم الاسلام، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ـــــ جو حضرت نانوتویؒ کے پوتے اور حافظ احمد صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں ـــــ فرماتے ہیں: ''دینی علم پڑھنا پڑھانا دیوبند کی خصوصیت نہیں۔ یہ تو باقی لوگ بھی پڑھتے ہیں۔ دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان تعلیمات کے پڑھنے پڑھانے کے لیے فکراً ولی اللّٰہی ہے، مسلکاً حنفی ہے، مشرباً نقشبندی، سہروردی، قادری، چشتی ہے، بلکہ جامع فکر کے ساتھ نسبتاً دیوبندی ہے۔ اور جامعیت کے اعتبار سے وہ شریعت، طریقت اور سیاست کا حامل ہوتے ہیں۔'' حضرت قاری طیب صاحبؒ نے ''مسلکِ علمائے دیوبند'' لکھی اور واضح کر دیا کہ دیوبندیت کس چیز کا نام ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا۔ جو ان تینوں کی جامعیت کو مانتا ہے، وہ دیوبندی ہے۔ اور جو ان تینوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے، عالم ہے، ٹھیک ہے نیک بھی ہوسکتا ہے، دیوبندی ہرگز نہیں۔ اسی جامعیت کے حامل دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہیں۔ آپ دیکھئے کہ شیخ الہندؒ محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، صاحبِ نسبت عالم، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، فقیہ النفس، اور سیاست کا علم ایسا کہ جنھوں نے آزادی اور حریت کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیا، جو ایک درخشاں ستارہ ہے۔ وہی شیخ الہندؒ کہ جن کے تربیت یافتہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد میاں امروہیؒ، آپ دیکھئے کہ یہ وہ اولوالعزم جماعت ہے، جو اس ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کی تربیت کرتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے جانشین اور خلیفہ، گنگوہ کی خانقاہ کے بعد ان کے نمائندۂ خانقاہ رائے پور کے بانی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، جو شیخ الہندؒ کے ہم ذوق، ہم مشرب، ہمدرد اور ہر معاملے میں شریکِ کار ہیں۔ شیخ الہندؒ جب یہاں سے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں سے مالٹا گرفتار ہو کر چلے گئے، تو تحریک کی تمام تر رہنمائی حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حوالے کی۔ رائے پور ایک جامع مرکز ہے۔ شریعت کا شعور پیدا کرنے، طریقت کی نسبت دلوں میں منتقل کرنے، انسانی دلوں کو اللہ سے جوڑنے، شریعت کے بنیادی احکامات منتقل کرنے اور اپنے دور کے طاغوت اور فراعین کے مقابلے پر آزادی اور حریت کی جدوجہد اور کوشش کرنے کا مرکز ہے۔ تحریکِ ریشمی رومال، جسے امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے خون سے سینچا، قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بھی قربانیاں دیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے، حضرت مولانا عزیر گلؒ نے قربانی دی۔ یہ لوگ پہاڑ کی طرح اولوالعزم ہیں۔ اور تمام شعبوں کے جامع تھے اور انھوں نے آزادی و حریت کے لیے کردار ادا کیا ہے۔

آج پینسٹھ سال گزرنے کے بعد پاکستان نامی اس خطے میں، جسے اسلام کے نام پر لینے کا دعویٰ کیا گیا، غلامی کا وہی نظام موجود ہے، جہاں ظلم بھی ہے، بدامنی بھی ہے، انسانیت دشمنی ہے اور سامراجیت کا تسلط بھی ہے۔ اس تمام تر غلبے کے باوجود اس خطے میں ان علمائے حق کا کوئی تعارف نہیں۔ شیخ الہند کون تھے؟ کیا کردار ادا کیا؟ آج ہمیں نہیں معلوم۔ شیخ الہندؒ نے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا رہنمائی کی؟ ہمیں نہیں پتا۔ ہم اپنے آپ کو دیوبندی کہیں، لیکن حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتنی کتابیں ہیں؟ ان کا علم و فکر کیا ہے، انھوں نے شریعت، طریقت اور سیاست میں کیا رہنمائی کی؟ ہمیں نہیں معلوم۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، سید احمد شہید کا نام نامی لیتے ہیں، ان کے نام پر اپنے مکتبے، اپنی سڑکیں، اپنے بازاروں کے نام رکھتے ہیں، لیکن ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں، جنھوں نے شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کتابیں: ''صراطِ مستقیم'' اور ''عبقات'' یا سید احمد شہیدؒ کی کتابیں پڑھی ہیں؟ اگر کوئی اور فرقہ حضورؐ سے محض عقیدت کے نام پر عرس منائے تو ہم کہتے ہیں کہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ اور اگر ہم بھی یہی کام کریں کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے عقیدت تو ہو، لیکن حاجی امداد اللہؒ نے انسانی قلوب کی اصلاح کے لیے کیا کوششیں کیں؟ ہم میں سے کتنوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے؟ یا اس سے رہنمائی لی؟ ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے بھی نسبت جوڑتے ہیں۔ جب کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں، جنھوں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا طریقۂ تصوف، شاہ ولی اللہؒ کا فہم شریعت، شاہ ولی اللہ کی برپا کی ہوئی تحریک اور جدوجہد، حجۃ اللہ البالغہ کا سیاسی اور معاشی نظام پڑھا، پڑھایا اور سمجھا، سمجھایا ہے؟

وہ ولی اللّٰہی فکر جو حضرت مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت سندھیؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا، ہم نے اس کا تعارف اپنی نوجوان نسل کو نہیں کرایا۔ یہاں مطالعہ پاکستان کے نام پر بڑے بڑے جاگیرداروں، وڈیروں، خان بہادروں، انگریز کے کاسہ لیسوں کا تعارف تو ہے، لیکن ان سچے علمائے حق کا تعارف نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جب اپنے تسلسل سے کٹ گئے تو خود ہماری شناخت بھی مشکوک ہو کر رہ گئی۔ آج سوچنے کی بات یہ ہے ہم جن بزرگوں سے اپنی نسبت جوڑتے ہیں، جن سچے اولیاء اللہ کے ساتھ وابستگی کا اعلان کرتے ہیں، ان کے فکر اور نظریے کو سمجھنے کے لیے ہم نے کیا قربانی دی ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زوال کے زمانے میں اس پاکستان میں کم از کم اگر ان تمام اکابرین کی کتابیں پڑھنے پڑھانے، ان کے نظریے کے فروغ کے لیے شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کا اگر کسی نے کام کیا تو وہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ ہیں، جنھوں نے پچاس ساٹھ سال کی پوری زندگی میں کوئی طمع، کوئی لالچ، کوئی مفاد، کوئی خود غرضی پیش نظر نہیں رکھی۔ ہر نوجوان کالجیٹ کے دماغ تک ولی اللّٰہی اکابرین کا پروگرام پہنچایا اور عدم تشدد کے اصول پر آزادی اور حریت کا نظریہ نئی نسل تک منتقل کیا ہے۔ تشدد پسندی، قتل و غارت گری، دہشت گردی، فرقہ وارانہ ذہنیت کے مقابلے پر ایک مزاحمتی سوچ اور فکر پیدا کی ہے۔ اور دین حق کے غلبے کے لیے جدوجہد کرنے کا صحیح سلیقہ اور طریقہ واضح کیا ہے۔

یہ وہ بنیادی کام ہے جس سے مجموعی طور پر ہم نے غفلت کا مظاہرہ کیا۔ اسی غفلت کے نتیجے میں آج ہمارا معاشرہ عمومی طور پر مسلسل زوال کی طرف جا رہا ہے۔ آج ان علمائے حقؒ اور انبیا علیہم السلام کے سچے اور سیدھے طریقے کو اپنائے بغیر کوئی کامیابی نہیں۔ آج ذلت و رسوائی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ دین کا جو نظریہ تھا، صحابہؓ کی اجتماعیت نے جو انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ نسل مذہب عدل و انصاف کا جو نظام قائم کیا تھا اور صحابہؓ سے لے کر حضرت مجدد الفؒ ثانی تک پوری دنیا میں تمام فقہا، تمام محدثین، تمام مفسرین، تمام صوفیا، تمام علمائے ربانیین نے جو غلبہ دین کے لیے بہت ساری کوششیں کیں، اس کی تاریخ سے آگہی ہو۔ آج کالج کا نوجوان اپنی تاریخ سے ناآشنا ہے۔ کوئی یورپ کو پڑھتا ہے، کوئی سامراج کو پڑھتا ہے، وہ سچے اولیاء اللہ کی تعلیمات سے آگاہ نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ان سچے علمائے ربانیین حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر اب تک جن علمائے حق نے دین کی اساس پر انسانیت کی رہنمائی کا کام کیا ہے، آج ان کے فکر و عمل کو اپنائیں، ان تعلیمات کا شعور پیدا کریں۔ دینِ حق کے غلبے کا نظریہ رکھیں، انقلابی سوچ پیدا کریں اور ولی اللّٰہی تعلیمات کی روشنی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کردار ادا کریں تو یقیناً دنیا کی کامیابی بھی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی۔ لیکن اگر ہم نے دین کی کچھ تعلیمات کو تو اپنا لیا، نماز، روزہ وغیرہ وغیرہ اور باقی تعلیمات کو چھوڑ دیا تو قرآن نے صاف کہا ہے ''تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو۔'' کہ اس کی سزا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ آج ہمیں دین کی جامع تعلیمات سے رہنمائی لے کر آگے بڑھنا ہے اور اپنی دنیا کو بھی درست کرنا ہے، اپنی آخرت کو بھی درست کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کی نئی بلڈنگ کا افتتاح

انسانی معاشرے کے استحکام اور معاشرتی تبدیلی میں جہاں فکر اور نظریہ ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے، وہیں اس کے ساتھ نظریہ اور فکر پر قائم ادارے بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پچھلے ایک عرصے سے دوست ادارہ کے مین کیمپس واقع کوئینز روڈ لاہور میں توسیع کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے۔

الحمدللہ! حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی توجہات اور حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کی مساعی اور دوستوں کے تعاون سے ادارہ نے اپنی موجودہ بلڈنگ سے ملحق ایک جگہ خرید کی، جس کا باقاعدہ افتتاح 15/ربیع الاوّل 1435ھ/ 17/جنوری 2014ء بروز جمعۃ المبارک کو ہوا۔ اس تقریبِ سعید میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ، سرپرستِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ جناب مولانا مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعوان، صدر ادارہ جناب مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، ادارہ کی شوریٰ کے اراکین اور دوستوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی اور ادارہ کی مجلس شوریٰ کا باقاعدہ اجلاس ادارہ کی نئی بلڈنگ میں منعقد ہوا۔ اللہ ربّ العزت سے دعا کی گئی کہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اور خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے فیض کو اس ادارہ کے ذریعے سے مزید عام کرے۔ آمین

سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں عصرِ حاضر کے سماجی مسائل اور ان کا حل

(پنجاب یونیورسٹی لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری کا خطاب)

مؤرخہ 18/فروری 2014ء کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے پانچویں مسند نشین اور ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور جناب ڈاکٹر مجاہد کامران کی دعوت پر پنجاب یونیورسٹی میں ایک سیمینار بعنوان ''سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں عصرِ حاضر کے سماجی مسائل اور ان کا حل'' سے خطاب کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس مدظلہٗ جب یونیورسٹی پہنچے تو اساتذہ اور طلبا کی ایک کثیر تعداد نے آپ کا استقبال کیا۔ تقریباً 10:45 am ''الرازی ہال'' میں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی جناب ڈاکٹر مجاہد کامران کی زیرِ صدارت سیمینار کا آغاز ہوا۔

حضرت اقدس کے خطاب کے بعد وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی جناب ڈاکٹر مجاہد کامران نے فرمایا کہ: ''میں نے اس سے قبل اتنا بھرپور، پُرمغز، مدلل، فکر انگریز اور متاثر کن لیکچر نہیں سنا۔ نیز حضرت نے جو باتیں کی ہیں، وہ میرے دل کی باتیں ہیں اور آج ہمیں ضرورت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کے ان پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر جن کی طرف حضرت مفتی صاحب نے رہنمائی کی ہے، اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوشش اور جدوجہد کریں۔''

سیمینار میں اساتذہ، طلبا و طالبات کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ سیمینار ہال میں کرسیوں کے ساتھ ساتھ سیڑھیوں وغیرہ اور ہال کے بیرونی طرف بھی طلبا و طالبات کی کثیر تعداد نے کھڑے ہو کر حضرت اقدس کا خطاب سنا۔ خطاب کے بعد حضرت اقدس کے اعزاز میں یونیورسٹی کے کمیٹی روم میں چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں حضرت اقدس، مہمانانِ گرامی اور یونیورسٹی کے اساتذہ شریک ہوئے۔ اس کے بعد وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی جناب ڈاکٹر کامران مجاہد، ڈین سوشل سائنسز جناب ڈاکٹر زکریا ذاکر، چیئرمین اسلامک سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ محترمہ ڈاکٹر طاہرہ بشارت صاحبہ، اساتذۂ کرام اور طلبا و طالبات کی ایک کثیر تعداد نے حضرت اقدس کو یونیورسٹی سے رخصت کیا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

میرے تایا جان اور میرے مرشد

1

(مضمون نگار حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے چھوٹے بھائی راؤ رشید احمد مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ جنھوں نے بچپن سے ہی اپنے دادا حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی آغوش میں آنکھ کھولی اور اپنے تایا حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ انھوں نے اس حوالے سے اپنی یادوں کے دریچے کھولے ہیں اور اس میں سے کچھ تأثرات صفحۂ قرطاس پر بکھیرے ہیں۔ حضرت اقدسؒ کے خاندان کے ایک فرد کے شگفتہ قلم سے لکھے ہوئے تأثرات نذر قارئین ہیں۔ مدیر)

وہ تو وہ ہیں تمھیں ہو جائے گی اُلفت مجھ سے
تم ذرا اِک نظر میرا محبوب نظر تو دیکھو

محترم دادا جان حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ جیسی بابرکت ہستی کی بدولت ہمارا گھرانہ سیاسی، سماجی اور دینی مجالس کا مرکز رہتا تھا۔ خاندان، برادری، دین و سیاست غرض ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی قد آور شخصیات کی خوب آمد و رفت ہوتی تھی، اگرچہ ان میں سے ہر ایک اپنی شخصیت میں کسی نہ کسی امتیاز کو سموئے ہوتا تھا، مگر ایک شخصیت جسے دیگر تمام افراد سے انتہائی منفرد اور ممتاز پایا' وہ محترم تایا جان حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی شخصیت تھی۔

آپؒ سب بھائیوں سے بڑے تھے۔ راجپوت خاندان سے تعلق تھا، مگر روایتی راجپوتوں والی اکڑ اور سختی آپؒ کی طبیعت سے کوسوں دور تھی۔ آپؒ ایک عظیم مرشد کے خلف الرشید تھے، مگر خدمت کروانے کی بجائے خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ ایک جلیل القدر ہستی کے خلیفہ تھے، مگر روایتی پیروں والی کوئی بات آپؒ کی شخصیت کا حصہ نہیں تھی۔ ایک ممتاز عالم دین ہونے کے باوجود کسی طرح کا بے جا علمی زعم نہ رکھتے تھے۔ قومی سطح کے لیڈر تھے، مگر کسی خودنمائی سے ہر ممکن گریزاں رہتے تھے۔

محبت وشفقت، تواضع، سادگی، اپنا کام خود کرنے کی عادت، مقصد کی لگن، ہمہ وقت متحرک، مدلل گفتگو، جرأت و ہمت' یہ وہ چند اوصاف ہیں جن سے آپؒ کی ہمہ گیر شخصیت آراستہ تھی۔ آپؒ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ ان سے میل ملاقات کے لیے آپؒ اکثر تو پیدل ہی گھومتے، بہت زیادہ بھی ہوتو سائیکل پر۔ اکثر اوقات گھر کا سامان بھی خود ہاتھ میں اٹھائے چلے آتے تھے۔ نہ گاڑیوں میں گھومنے کی طلب، نہ تھانے کچہری کی سیاست میں دلچسپی، نہ کسی سے انفرادی سطح پر الجھنا، نہ چودھراہٹ کا شوق، نہ بے جا نکتہ چینی، نہ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کی عادت، نہ بڑے لوگوں سے تعلقات کی لگن، آپؒ میں روایتی بڑے لوگوں والی کوئی بھی عادت تو نہیں تھی۔

عام آدمی جس سے کوئی ملنا پسند نہیں کرتا تھا' آپؒ اس کے قریب بیٹھتے، دسترخوان پر جب دوسرے لوگ بڑے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوتے، آپؒ انھیں اپنے قریب بٹھاتے۔ معاشرتی وعلمی مقام سے قطع نظر ہر وہ شخص آپؒ کی توجہ کا مرکز ہوتا' جسے آپؒ اپنی بات سمجھانا چاہتے۔

ہمہ وقت متحرک اور چاق و چوبند، کبھی خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارت میں مصروف، تو کبھی علما کے ساتھ تبادلۂ خیال میں مشغول، کبھی نوجوانوں کو اپنی بات سمجھانے میں وقت صرف کرتے، تو کبھی خانقاہی معمولات سیکھنے کے لیے آنے والے احباب کو تلقین کرتے نظر آتے۔ کبھی کسی جلسے میں خطاب فرما رہے ہیں تو کبھی کسی مسجد میں بیان۔ بعض اوقات تو مہینوں سفر پر رہتے اور ملک بھر کے دورے کرتے۔ ہماری تائی امّاں کہا کرتی تھیں کہ جب کبھی آپ مہینوں کے راشن کے ساتھ لدے پھندے گھر میں داخل ہوتے تو ہم سمجھ جاتے کہ اب جناب کا طویل عرصے تک گھر سے غائب رہنے کا ارادہ ہے۔

خانقاہ میں آنے والوں کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے، خصوصاً نوجوانوں کی طرف آپؒ کی توجہ زیادہ رہتی۔ محترم دادا جانؒ بھی آنے والوں کو آپؒ ہی کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی وسیع وعریض جائیداد کے باوجود اپنے اور اپنے اہل خانہ کے وسائل کا بندوبست خود اپنے ذرائع سے کرتے۔

ایک بار جب میں بہت چھوٹا تھا تو گھٹنوں کے بل چلتا چلتا گلی میں دور نکل گیا تھا، تقریباً گم ہو ہی گیا تھا کہ آپؒ کی نظر پڑ گئی اور گھر لے آئے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ ذمہ داری آپؒ پر کچھ ایسی پڑی کہ پھر زندگی بھر آپؒ ہی ہمیں گمراہی سے بچاتے رہے۔ والدہ بتاتی ہیں کہ آپؒ کے مرشد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپؒ سے بہت محبت کرتے تھے، اس درجہ کہ خاندان کے بہت سے بزرگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کے جانشین آپؒ ہی ہوں گے۔

آپ کے واضح اور دوٹوک مؤقف، جرأت مندانہ رائے کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے اختلاف بھی کرتے رہے۔ اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حاسدین آپؒ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ میں آٹھویں جماعت کا طالبِ علم تھا' جب محترم دادا جانؒ کے مری میں قیام رمضان کے موقع پر وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک روز تایا جانؒ قیام گاہ کے باہر کھڑے کچھ لوگوں سے جہادِ افغانستان کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے کہ یہ روس اور امریکا کی جنگ ہے۔ یہ مہاجرین کا سیلاب تمہاری معیشت کو برباد کر دے گا اور ایک وقت آئے گا کہ تم ان کو نکالنے کی کوشش کرو گے اور یہ نہیں نکلیں گے۔ آپؒ کا یہ تجزیہ میرے ذہن پر نقش رہا اور نہایت حیرانی کا باعث بھی کہ آپؒ کا یہ تجزیہ کتنا درست تھا۔

درحقیقت محترم تایا جانؒ کا تعلق علمائے ہند کے اس طبقے سے تھا، جس کی سامراج دشمنی کی وجہ سے پاکستان کا سسٹم اور رجعت پسند مذہبی طبقہ یک زبان ہو کر مخالفانہ پروپیگنڈے میں مصروف تھا۔ اس پروپیگنڈے کی شدت سے گھبرا کر اکثر علما نے تو گوشۂ عافیت میں پناہ ڈھونڈ لی۔ اس کے برعکس یہ خانقاہ رائے پور ہی تھی، جس نے حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی سرپرستی میں اپنے اکابرین کے نقطہ نظر کو ڈٹ کر پیش کیا۔ چوں کہ محترم تایا جانؒ اس جدوجہد کے سرخیل تھے' اس وجہ سے تمام پروپیگنڈا اور مخالفت کا رُخ بھی آپؒ ہی کی جانب ہو گیا۔ ان مخالف قوتوں نے خانقاہ میں بھی اثر ورسوخ پیدا کرنے اور خاندان کو بھی متاثر کرنے کی حکمتِ عملی پر کام شروع کیا۔ جب کہ محترم تایا جان اپنی خانقاہی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں اکثر و بیشتر سفر پر رہتے تھے تو محترم دادا جانؒ کی بیماری سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار طبقے نے ان کے علاج اور خدمت کے نام پر اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی باقاعدہ حکمتِ عملی تیار کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محترم دادا جانؒ کا جسمانی عارضہ بڑھتا گیا اور اس طبقے کی

خانقاہ میں مداخلت بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ محترم تایا جانؒ کی آزمائشوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حاسدین، محترم تایا جانؒ کو تکلیف پہنچانے کے نت نئے طریقے اختیار کرتے۔ اس طبقے کے بغض وحسد کے بہت سے مظاہر بار بار دیکھنے کو ملے۔ درحقیقت محترم تایا جانؒ سے میرے قریب ہونے اور ان سے متاثر ہونے کی بڑی وجہ بھی انھی افراد کا غلط طرزِ عمل اور اس کے مقابلے میں محترم تایا جانؒ کے کردار کی بلندی، آپؒ کی ہمت واستقامت اور مقصد کی لگن تھی۔ آپؒ کا تحمل، طبیعت کی شگفتگی اور ہمیشہ قائم رہنے والی مسکراہٹ حاسدین کی تمام شرارتوں کا مُسکِت جواب ہوتی تھی، لیکن حاسدین تھے کہ حسد کے مارے آپؒ کو تکلیف دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مری میں اسی قیام کے دنوں کا ایک اور واقعہ پیش آیا، جس کی تکلیف میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ رمضان المبارک کے اختتام پر محترم دادا جانؒ کی معیت میں شمالی علاقہ جات کے سفر کا پروگرام بنایا گیا۔ اس سفر میں اتفاقاً میں بھی ہمراہ تھا۔ جس گاڑی میں ہم سوار تھے، اس کو فیصل آباد والے حاجی اویس صاحب کا ڈرائیور چلا رہا تھا اور پچھلی نشستوں پر لاہور سے ہلال انجینئرنگ والے اصحاب موجود تھے۔ دورانِ سفر محترم تایا جانؒ فرنٹ سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ پہاڑی سفر تھا اور طویل بھی۔ محترم تایا جانؒ کو اگر اونگھ آجاتی تو پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے افراد ڈرائیور کو اشارہ کرتے۔ وہ گاڑی کی سپیڈ بڑھا کر اس کو اچانک بریک لگاتا۔ محترم تایا جانؒ کا سر جھٹکے سے گاڑی کے ڈیش بورڈ سے ٹکراتا اور یہ لوگ آپؒ کی تکلیف سے خوش ہوتے اور حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرتے۔

میں بہت حیران ہوا اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ ایسا کیوں ہوا! کئی سالوں کے مشاہدے نے مجھے اس نتیجے تک پہنچنے میں مدد دی۔ میں دیکھتا تھا کہ کچھ لوگ تایا جانؒ سے حسد کرتے ہوئے ان کی بے جا مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی نجی مجلسوں میں ان کا مذاق اُڑاتے ہیں اور پھبتیاں کستے ہیں۔ امیر طبقے سے تعلق رکھنے والے یہ فیکٹری مالکان ہمارے خاندان کے بعض افراد سے قریبی تعلق رکھتے۔ ان کو نوازتے اور ان کی آشیر باد سے تایا جانؒ کو تکلیف پہنچانے پر کمربستہ رہتے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس حقیقت کو بہت بعد میں سمجھنے کے قابل ہوسکا۔

ان حاسدین کی شرارتوں کے برعکس محترم تایا جانؒ کے لیے تیزی سے جو چیز پروان چڑھ رہی تھی، وہ محترم دادا جانؒ کی آپؒ پر عنایات تھیں۔ آپؒ نماز کی امامت کے لیے ہر ممکن حد تک محترم تایا جانؒ کا انتظار فرماتے۔ اسی طرح سے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور میں داخل ہونے والوں کو بیعت کے کلمات کہلوانے کے لیے محترم تایا جانؒ کا بعض اوقات کئی دنوں تک انتظار کیا جاتا۔ کسی نئی جگہ پر قیام کے لیے محترم دادا جانؒ سب سے پہلے دریافت فرماتے کہ ''بھئی! بھائی مولانا (محترم دادا جانؒ آپ کو احتراماً ''بھائی مولانا'' ہی کہتے) اور ان کے ساتھیوں کا کمرہ کون سا ہے؟'' حاسدین محترم دادا جانؒ سے ایک دوسرے کی خدمات جتلاتے ہوئے باری باری ایک دوسرے کے لیے خلافت کی فرمائشیں کرتے رہتے، تو ادھر سے بس ایک ہی جواب ملتا کہ ''بھائی خدمت اور چیز ہے اور اہلیت کچھ اور۔''

ایک بار کلورکوٹ ضلع بھکر میں خاندان کی ایک شادی کے موقع پر جب کہ خاندان کے تمام بزرگ بھی جمع تھے اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد اور حضرت مولانا ارشد مدنیؒ (صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) بھی موجود تھے تو حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے حضرت مولانا ارشد مدنیؒ اور حاضرین کو متوجہ فرما کر کہا کہ: ''یہ میرے بڑے صاحبزادے ہیں، جو اپنے اکابر کی امانت اٹھائے ہوئے ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ قبول فرمائے۔''

یہ اس امر کا کتنا واضح اشارہ تھا کہ آپؒ ہی پر اس سلسلے کے فروغ کی ذمہ داری پڑنے والی ہے اور یہ بھی کہ آپؒ کے بزرگ آپؒ پر کتنا اعتماد کرتے ہیں۔

غالباً 1988ء کا آغاز تھا اور میری میڈیکل کی تعلیم کے ابتدائی سال تھے کہ آپؒ محترم دادا جانؒ کے ہمراہ انڈیا کے سفر پر تشریف لے گئے۔ اسی دوران رائے پور سے خبر پہنچی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے آپؒ کو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا آئندہ جانشین نامزد فرما دیا ہے۔ چند ہی دنوں کے بعد محترمہ پھوپھو جان، جو سفر میں ہمراہ تھیں، کا خط بھی پہنچ گیا، جس میں اس مبارک اعلان کا تفصیلی تذکرہ تھا۔ سب اہل خانہ بہت خوش تھے۔ خصوصاً قبلہ والد صاحب (راؤ رشید احمد) کی خوشی تو دیدنی تھی۔ انھوں نے خاص طور پر اس خط کی کاپیاں تمام عزیز واقارب کو بھجوائیں۔

ایک مرتبہ جب محترم تایا جانؒ طویل سفر سے واپسی پر گھر تشریف لائے تو محترمہ دادی جان نے مبارکباد دی اور اپنے چھوٹے صاحبزادے کی خواہش کو بھانپتے ہوئے ازراہِ مذاق کہا کہ عبدالقادر کو بھی خلافت دے دینا۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ ''آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ رائے پور کی خلافت تو لوہے کے چنے چبانا ہے۔ اس کے لیے تو بڑی اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

کالج کے زمانے تک میں آپؒ کی کسی بزرگی وغیرہ کا کچھ زیادہ قائل نہیں تھا۔ آپؒ میرے لیے ایک تایا جان ہی تھے۔ اس وقت تک تو آپؒ کی شفقت ومحبت ہی ہمیں آپؒ کی طرف کھینچتی تھی۔ اسی اثنا میں آپؒ کے دفتر 56- میکلوڈ روڈ لاہور میں آمد ورفت شروع ہوئی تو آپؒ کی مجالس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔

میرے لیے یہ نہایت حیرت انگیز تھا کہ آپؒ نے اپنے میدانِ عمل کے لیے ایسے نوجوانوں کا انتخاب کیا، جن میں سے اکثر کالج ویونیورسٹی اور مدارس سے تعلق رکھتے تھے۔ کالج ویونیورسٹی کا نوجوان عام طور پر مذہب سے بیگانہ اور خصوصاً علما ومشائخ سے بیزار تھا۔ مدارس کا نوجوان تو آپؒ کے حوالے سے بدترین مخالفانہ پروپیگنڈے کا شکار تھا، لیکن آپؒ اپنے مریدین اور متعلقین کے درمیان رہتے، جو ہمہ وقت آپؒ کو سر آنکھوں پر بٹھانے اور ہاتھ چومنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ جب کہ یونیورسٹی اور کالج کے نوجوان آپؒ کو بزرگ سمجھنا تو کجا، ابتداً اپنے برابر کی حیثیت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے تھے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ نوجوان علمائے حق کے بے پناہ گرویدہ اور آپؒ سے عشق کرنے لگتے۔

ایک نوجوان کو اپنے اکابر کا نظریہ منتقل کرنے کی تڑپ حد درجہ آپؒ میں موجود تھی۔ بارہا ایسا ہوتا کہ ایک نوجوان کو بات سمجھاتے رات کا طویل دورانیہ بیت جاتا۔ پھر اس نوجوان کے مکمل آرام کا اہتمام کرکے آپؒ دوسرے نوجوانوں کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ اس طویل دورانیے میں حضرتؒ کے مخاطب نوجوانوں میں سے شاید ہی کسی نے حضرتؒ سے یہ الفاظ سنے ہوں کہ 'میرے آرام کا وقت ہے۔'

مخالف یا موافق کوئی بھی فرد ہوتا، آپؒ اس کو اسی کامل تندہی سے بات سمجھانے میں مشغول رہتے۔ بعض اوقات تو محفل میں موجود افراد مخاطب کے حوالے سے سخت بیزار ہوتے کہ آپ کس کم عقل کو بات سمجھا رہے ہیں، مگر آپؒ کی محنت ومشقت مسلسل جاری رہتی۔ اس ضمن میں ایک واقعے کا بھی تذکرہ فرماتے کہ ایک شاہ زادہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی مجلس میں آنے لگا۔ بادشاہ نے بلا بھیجا کہ کیا آپ اس کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں تو حضرت نظام الدین اولیاؒ نے جواباً کہلا بھیجا کہ ''اپنے سے بھی بہتر بنانا چاہتا ہوں۔'' (جاری)

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

کا دورۂ سرگودھا، میانوالی اور بنوں

رپورٹ: ڈاکٹر محمد عثمان، انعام اللہ خان

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 15/ستمبر 2013ء بروز اتوار کو صبح 11 بجے لاہور سے سرگودھا کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت اقدس کی آمد سے پہلے مولانا محمد ناصر عبدالعزیز جھنگ سے سرگودھا تشریف لا چکے تھے۔ حضرت اقدس تقریباً 2 بجے سرگودھا جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت کا استقبال جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ اور جناب عدیل اعجاز نے اپنی ٹیم کے ہمراہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر ظہرانہ تھا اور شرکائے سرکل کا استفادہ پروگرام تھا۔ شرکا نے پہلے مولانا ناصر عبدالعزیز سے نظریاتی اور حالاتِ حاضرہ پر استفادہ کیا۔ اور پھر حضرت اقدس بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد تقریباً ساڑھے تین بجے حضرت اقدس دامت برکاتہم مولانا ناصر عبدالعزیز کے ہمراہ جوہر آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت اقدس جوہر آباد میں ڈاکٹر محمد عثمان کے گھر تشریف لائے۔ یہاں پر عثمان کلینک کی نئی بلڈنگ کا افتتاح حضرت اقدس نے کرنا تھا۔ نمازِ عصر کی ادائیگی کے فوراً بعد حضرت اقدس افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ جہاں پر شہر کے ڈاکٹرز، وکلا اور سرکردہ شخصیات اکٹھی تھیں۔ سٹیج پر حضرت اقدس رائے پوری، مولانا ناصر عبدالعزیز، ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ اور میڈیکل ایسوسی ایشن کے چیئرمین غوث محمد خان نیازی براجمان ہوئے۔ نظامت ڈاکٹر محمد عثمان نے کی۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت حافظ مظہر صدیق نے حاصل کی۔ اس کے بعد PMA کے صدر ڈاکٹر عرفان اللہ وڑائچ نے ڈاکٹر محمد عثمان کو مبارک باد دی۔ اس کے بعد مولانا ناصر عبدالعزیز نے خانقاہ عالیہ رائے پور شریف کا تعارف اور نوجوانوں میں اس کا مشن بیان کیا۔ پھر حضرت اقدس نے ''اسلام اور انسان دوستی'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ''انسان دوستی کا بنیادی وصف بلاتفریق رنگ، نسل، زبان کے ہر انسان کو فائدہ پہنچانے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے نظام وضع کرنے میں ہے۔ پاکستان میں پرانے فرسودہ برطانوی نظام کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اور اسلام کے مطابق یہاں انسان دوستی کا نظام قائم کرنا آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے، جو یہاں کی انسانیت کو امن، خوش حالی دے۔'' اس تقریب کا اختتام حضرت اقدس کے دعا کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد حضرت ہسپتال کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے اور فیتہ کاٹا۔ نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی، جس میں کافی احباب نے شرکت کی۔ اس کے بعد دوستوں نے حضرت اقدس سے حالاتِ حاضرہ اور دینی امور پر استفادہ کیا۔ یہ محفل رات 10 بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد کھانا ہوا۔ باہر سے آنے والے احباب نے اجازت چاہی۔ اس کے بعد نمازِ عشا کی ادائیگی ہوئی اور پھر حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے آرام فرمایا۔

میانوالی

اگلے دن 16/اگست بروز سوموار کو صبح 10 بجے ناشتے کے بعد حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مولانا ناصر عبدالعزیز اور جناب عدیل اعجاز کے ہمراہ میانوالی روانہ ہوئے۔ میانوالی میں تقریباً 12 بجے حضرت اقدس، جناب شعیب نیازی کے گھر تشریف لائے۔ جہاں مقامی دوستوں نے حضرت اقدس کا استقبال کیا۔ یہاں حضرت نے نماز اور آرام کیا۔ ساڑھے چار بجے میانوالی میں ایک دعوتی سیمینار کا پروگرام تھا۔ 2 بجے سے 3 بجے تک دوستوں کے اہل خانہ کے سامنے حضرت نے درسِ قرآن دیا اور خواتین کے سوالات کے جوابات دیے۔

اس کے بعد شہزاد ہوٹل میں سیمینار کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد جناب مولانا محمد ناصر عبدالعزیز نے سیمینار کے موضوع ''سماجی تبدیلی میں نوجوانوں کا کردار'' پر تعارفی گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے نوجوانوں کو معاشرتی مسائل اور معاشرے کی ساخت کے حوالے سے اہم امور کی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ: ''معاشرے دینی فکر، سیاسی سوچ اور معاشی استحکام سے ترقی کرتے ہیں اور نوجوانوں کو ان امور کا شعوری فہم پیدا کرنا چاہیے۔ اور اپنے آپ کو منظم کر کے سماجی تبدیلی کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے۔'' حضرت کے بیان کے بعد سوال و جواب کی بھرپور نشست ہوئی۔ سیمینار کے بعد نماز اور ذکر ہوا۔ کھانا کھانے اور عشا کی نماز کے بعد تنظیمی دوستوں نے استفادہ کیا۔ استفادے کی یہ نشست رات 12 بجے تک جاری رہی۔ دوستوں نے بھرپور شرکت کی اور دل چسپی ظاہر کی۔ اگلے دن مؤرخہ 17/ستمبر بروز منگل کو صبح 9 بجے حضرت اقدس کی بنوں کے لیے روانگی ہوئی۔

بنوں

جب حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کے دورۂ بنوں کی اطلاع موصول ہوئی تو احباب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ جیسے کلیوں پر شبنم کے قطروں کی پھوار ہوئی ہو۔ کیوں کہ حضرت اقدس کے دورۂ بنوں کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور اتنا بڑا سانحہ بھی گزرا تھا کہ رہبر و بانیٔ فکرِ ولی اللّٰہی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ دارِ فانی سے دارِ جاودانی منتقل ہوئے تھے تو دورہ بنوں کی خبر سے تمام ساتھیوں میں جان آ گئی اور سب کے سب متحرک ہو گئے۔ ہر سطح پر میٹنگز کا انعقاد ہوا۔ حضرت اقدس کا دورہ کامیاب بنانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔

مؤرخہ 17/ستمبر بروز منگل کا آفتاب جب طلوع ہوا تو تمام ساتھی اپنی اپنی ذمہ داری نبھانے میں لگ گئے اور 4 بجے عصر تک بے قراری سے انتظار کر رہے تھے۔ آخرکار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور جناب حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ العالی اور حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز، اسلامیہ ہائی اسکول کے گیٹ کے سامنے تشریف فرما ہوئے۔ استقبال کے لیے زونل انتظامیہ اور ریجنل ممبران اور نوجوانوں کی کثیر تعداد موجود تھی، جنھوں نے حضرت اقدس کا والہانہ استقبال کیا۔ ریجنل اور زونل صدر نے گلدستے پیش کیے۔ دوسرے ساتھیوں نے ہار پیش کیے اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ دو لائنوں میں کھڑے ساتھی جب پتیاں نچھاور کر رہے تھے تو بہار کا سماں دکھائی دے رہا تھا۔

پہلی نشست نمازِ عصر کے متصل ہوئی۔ حضرت اقدس نے ''نظم و ضبط کے حوالے سے ذمہ داریوں کی ضرورت و اہمیت'' کے موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔ حضرت نے فرمایا:

''معزز دوستو! انسانی زندگی کی تشکیل اور کامیابی تبھی ممکن ہے کہ جب اس میں دو بنیادی چیزیں موجود ہوں۔ پہلی بنیادی چیز معاشرے کی تشکیل کے لیے صحیح فکر و نظریہ اور سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی کسی جغرافیائی حدود میں رہنے والے لوگ ایک نظریے پر متفق ہوں اور اس نظریے کی اساس پر سوسائٹی میں وحدتِ فکری موجود ہو۔ معاشرے کی شیرازہ بندی، وحدتِ فکری کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسری بنیادی چیز جو معاشرے کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہے، وہ یہ کہ

www.rahimia.org

اس فکر اور نظریے پر ایک ایسی منظم جماعت اور تنظیمی طاقت وجود میں لائی جائے جو سوسائٹی میں ایک بہتر نظام قائم کرنے کی صلاحیت کی حامل ہو۔ یعنی تنظیم کے بغیر نظام کا تصور ناممکن ہے۔ گویا کہ معاشرے کی ترقی کے لیے دو چیزیں ناگزیر ہیں: نظریے اور فکر کی پختگی اور یکسوئی اور اس کی اساس پر ایک بہتر نظام قائم کرنے کی مہارت اور صلاحیت۔ لہٰذا اعلیٰ درجے کی مہارت تبھی حاصل ہوسکتی ہے، جب تنظیمی کام کو پوری تندہی اور commitment کے ساتھ انجام دیا جائے اور وہی جذبہ اور لگن موجود ہو جس طرح ایک ذمہ دار کا اپنی ذمہ داری کے حوالے سے ہونا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے انبیائے کرامؑ کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس کی خصوصیت حنیفیت ہے، جس کا بنیادی مفہوم اور مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اپنے فکر اور نظریے میں یکسوئی اور اپنے عمل کی تنظیمی مہارت اور صلاحیت میں یکسوئی حاصل ہو جائے۔''

نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی۔ مجلس ذکر کے بعد مولانا محمد ناصر عبدالعزیز نے ''تزکیۂ نفس میں ذکر اللہ کی اہمیت'' کے موضوع پر ساتھیوں کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ''نظریہ بلند اختیار کیا جائے، لیکن اخلاق بلند نہ ہوں اور قلب و دماغ میں ناپاکی اور بُرے تصورات موجود ہوں تو یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے نظریے کی درستگی کے ساتھ ساتھ اپنے قلب کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہوں اور اس کو گناہوں کی آلودگی سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو اس طرف متوجہ کریں اور اپنی غفلت کو دور کردیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ہمیں ظلمات اور تاریکیوں سے نکال کر روشنی اور نور کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یہی چاہتے ہیں۔ اس کے حصول کا جو طریقۂ کار بتایا گیا ہے' وہ ہے کثرت ذکر' کہ اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرو۔''

اس نشست کے بعد نمازِ عشا و طعام کے لیے وقفہ کیا گیا۔ اس دوران حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (مجاز حضرت رائے پوریؒ) اور جناب عمیر زیدی بھی اس دورے میں شرکت کے لیے نوشہرہ سے خصوصی طور پر تشریف لائے۔ اس کے بعد مولانا محمد ناصر عبدالعزیز نے زونل مجلس عمومی کے دوستوں کی خصوصی رہنمائی فرمائی۔

مؤرخہ 18/ستمبر بروز بدھ صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن نے درسِ حدیث دیا اور اس کے بعد آرام و ناشتے کے لیے وقفہ کیا گیا۔ پھر سارا دن انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ نمازِ ظہر و آرام کے بعد دو نشستوں کا انعقاد کیا گیا۔ محاضرین کے ساتھ حضرت اقدس نے خود نشست فرمائی۔ سوالات و جوابات کی نشست بڑی دل چسپ رہی، جو نمازِ عصر تک جاری رہی۔ دوسری نشست مولانا مفتی محمد مختار حسن کے ساتھ ہوئی۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ''ہم ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ ہو۔ ہمارا نظریہ عدل کا نظریہ ہے۔ معاشی خوش حالی کے لیے معاشرے میں درست معاشی نظام کا ہونا ضروری ہے۔'' بعد از نمازِ عصر ایک اجتماعی استفادہ نشست منعقد ہوئی، جس میں مولانا محمد ناصر عبدالعزیز نے ساتھیوں کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ''کوئی بھی نظریہ اس وقت تک فروغ نہیں پاتا، جب تک مرکزیت نہ ہو۔ ادارہ یا مرکز کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے کم وسائل سے میکلوڈ روڈ پر پہلا مرکز اور اس کے بعد 2001ء میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور کا مرکز قائم کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ مرکزیت کو فروغ ملا اور ادارہ جاتی تشکیل ہونے لگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت کے لیے دو مراکز قائم کیے تھے: بیت اللہ اور بیت المقدس۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ ارقم کو ابتدا میں اپنا مرکز بنایا تھا، جس میں رابطوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی خانقاہ رحیمیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ آج ادارہ رحیمیہ چند ہالوں اور کمروں کا نام نہیں، بلکہ دینی دعوت کے فروغ اور دینی تعلیم و تربیت کا نام ہے۔'' یہ نشست نمازِ مغرب تک جاری رہی۔

نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی، جس میں ساتھیوں کی بھرپور شرکت رہی۔ مجلس ذکر کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن نے ''شخصیت و کردار سازی میں تصوف کا کردار'' کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ: ''ذکر' تزکیۂ نفس کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بطور علاج ہے۔ ذکر انسانوں کے قلوب کے تزکیے اور علاج کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی قلب مہذب نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں نائب و خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ انسان کے اندر یہ اہلیت و صلاحیت موجود ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تجلّیات کا مظہر بنے، اللہ کی صفات کا مظہر بنے اور دنیا میں اللہ کی صفات کو غالب کرنے اور قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق پیدا کرے اور محبت و نسبت پیدا کرے تو یہ اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ انسان کے دل میں اللہ کی محبت، اللہ سے تعلق و نسبت پیدا کرنے کا جو ذریعہ ہے، اس کو ہم تصوف کہتے ہیں۔ علم و نظریہ شریعت کے ذریعے سے آتا ہے۔ انسانی سماج میں عدل و انصاف کو عملی طور پر قائم کرنا سیاست کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اور جب انسانی قلب مہذب بنانا ہو، انسان میں کمالات پیدا کرنے ہوں، اخلاق پیدا کرنے ہوں تو یہ تصوف کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تصوف انسان کے تزکیۂ نفس کے لیے انسان کو مرض سے نجات دلانے، اخلاق پیدا کرنے اور اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور کمالات منتقل کرنے کے لیے ضروری علاج ہے۔ اس علاج کے بغیر انسان یہ کمالات پیدا نہیں کرسکتا۔'' اس کے بعد نمازِ عشا و طعام کا وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد مولانا مفتی محمد مختار حسن کے ساتھ استفادہ نشست ہوئی۔

مؤرخہ 19/ستمبر 2013ء بروز جمعرات کو نمازِ فجر کے بعد درسِ حدیث ہوا۔ ناشتہ و آرام کے بعد متعلقین کا سلسلہ شروع ہوا۔ نمازِ ظہر کے بعد دوست و احباب کا حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقاتوں کا تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد 3 بجے حضرت اقدس کا عمومی خطاب رکھا گیا تھا۔ اسلامیہ ہائی اسکول کا گراؤنڈ اجلاس گاہ کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ قریباً تین سو شرکا تشریف فرما تھے۔ جن میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ ڈاکٹر، انجینئر، وکلا، پروفیسرز، ٹیچرز، علاقے کے مشران وغیرہ موجود تھے۔ ان سب میں نمایاں اکثریت یونیورسٹی و کالج اور سکول کے طلبا کی تھی۔ اس دوران حضرت اقدس و دیگر مہمانان تشریف لائے۔ تمام دوستوں نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ حضرت اقدس سیدھے اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ سیمینار کا باقاعدہ آغاز مولانا قاری محمد جاوید کی تلاوت سے ہوا۔ جناب فواد خان نے حضرت اقدس کا مختصر اور جامع تعارف پیش کیا۔ پہلے موضوع ''جدوجہد آزادی میں خانقاہ رائے پور کا کردار'' پر حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز نے خطاب فرمایا۔

اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہٗ العالی کو ''پاکستان کے موجودہ مسائل اور ان کے حل کی درست حکمتِ عملی'' کے موضوع پر دعوت خطاب دی گئی۔ حضرت اقدس کی دعا سے 5 بجے عصر سیمینار کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے حضرت اقدس کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی۔ دعا کے بعد حضرت اقدس نے کلماتِ توبہ ارشاد فرمائے اور مختلف ساتھی بیعت ہوئے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے حضرت اقدس مدظلہٗ العالی ممش خیل روانہ ہوئے آپ کے ہمراہ دیگر مہمانان کے علاوہ بعض مقامی سینئر دوست بھی موجود تھے۔ ممش خیل میں ملک نذیر خان کے ہاں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے رات کا قیام فرمایا اور صبح ناشتے کے بعد تقریباً 8 بجے ڈیرہ اسماعیل خان کے لیے روانہ ہوگئے۔

www.rahimia.org

تعزیتی منظومہ — از ڈاکٹر محمد طاہر، مانسہرہ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی یاد میں

جو ظالموں کے واسطے شعلہ تھے آگ تھے
اور وہ بے کسوں کے واسطے ہمت کا باب تھے

تاریخ نہیں جانتی ایسے ادیب کو
جو بے قلم تھے نظر سے لکھتے کتاب تھے

بہتوں کے لیے بوڑھے تھے اور کچھ کے لیے پیر
محفلِ اہلِ نظر میں وہ جواں تھے شباب تھے

تھے انبیاؑ کے وارث اور اولیاؒ کے جانشیں
اور انجمنِ عزم کے وہ ماہتاب تھے

رُخصت ہوئے تو کچھ دیر ، حبس پھر سے بڑھ گئی
پھر جانشیں ہوگئے آزادؔ ، جو اہلِ نظر کا انتخاب تھے

اوجھل ہماری نظروں سے تو ہو گئے ہیں وہ
ابھریں گے بعد شب ، کیوں کہ وہ مثل آفتاب تھے

تھے وہ داعیٔ انقلاب ، اور آزادی کے سفیر
کیوں نہ لکھوں انھیں سعید ، وہ سعادت مآب تھے

لفظوں میں کیوں کرتے ہو بیاں ان کو تم طاہرؔ
الفاظ کے وہ محتاج نہیں ، خود وہ کتاب تھے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!
از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال(1): ایک مسافر حالتِ سفر میں فارغ وقت دیکھ کر ایسی نمازوں کی قضا کرنا چاہتا ہے، جو اس سے مقیم ہونے کی حالت میں قضا ہوئیں۔ تو کیا سفر میں قضا شدہ نمازوں کی قضا پڑھتے وقت قصر ضروری ہے یا نہیں؟ محمد احسن، ملتان

جواب: مسافر کے مقیم ہونے کی حالت میں جو نمازیں قضا ہوئی ہیں، اگر وہ ان کی قضا سفر کی حالت میں کرنا چاہتا ہے تو ان کو مقیم کی نماز کی طرح ہی پڑھے گا۔ قصر صرف ان نمازوں میں ہے، جو نمازیں حالتِ سفر میں اس پر لازم ہوئیں۔

(نوٹ) مسافر کو قصر کی حالت میں چار رکعت والی نمازیں' دو رکعت پڑھنی ہوتی ہیں۔

سوال(2): ایک باوضو خاتون نے اپنے بچے کو دودھ پلا دیا تو کیا وہ خاتون نماز کے لیے دوبارہ وضو کرے گی یا وہ پہلے والا وضو باقی ہے اور اس سے نماز پڑھ سکتی ہے؟

جمیل احمد، منڈی بہاؤالدین

جواب: دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اس لیے وہ اسی وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے۔

سوال(3): رشیدہ بیگم اور مجیدہ بیگم دونوں بہنیں ہیں اور دونوں بالغ ہیں۔ ایک شخص ذاکراللہ کا نکاح رشیدہ بیگم سے ہونا طے پایا تھا۔ جب برأت ان کے گھر پہنچ گئی اور نکاح کی مجلس منعقد کی گئی تو غلطی سے ذاکراللہ کا نکاح مجیدہ بیگم سے کر دیا گیا۔ برأت کی رخصتی سے قبل ہی یہ صورت حال معلوم ہوگئی تو فوری طور پر رشیدہ بیگم سے بھی ذاکراللہ کا نکاح کر دیا گیا اور اس کو بیاہ کر گھر لے آئے اور اس کے بعد مجیدہ بیگم جس سے پہلے غلطی سے نکاح کر دیا گیا تھا، طلاق دے دی تو اب اس نکاح کا شرعی حکم کیا ہے؟ ہدایت اللہ، چترال

جواب: ذاکراللہ جس کا نکاح رشیدہ بیگم سے ہونا طے پایا تھا اور غلطی سے اس کی بہن مجیدہ بیگم سے ذاکراللہ کا نکاح کر دیا گیا تو شرعی طور پر مجیدہ بیگم کا نکاح قائم اور درست ہے۔ اس کی موجودگی میں مجیدہ بیگم کی کسی بہن سے نکاح کرنا درست نہیں۔ البتہ ذاکراللہ نے جب مجیدہ بیگم کو طلاق دے دی تو اب اس کی بہن رشیدہ بیگم سے نکاح کرنا درست ہے۔ طلاق سے قبل جو رشیدہ بیگم سے نکاح کیا گیا، وہ شرعی طور پر کالعدم ہے۔ دوبارہ نکاح کرنا شرعاً ضروری ہے۔ چوں کہ مجیدہ بیگم سے خلوت وغیرہ نہیں ہوئی، اس لیے طلاق کے فوری بعد رشیدہ بیگم سے نکاح کرنا درست ہے۔

www.rahimia.org

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف انژ (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
"رحیمیہ لاہور" میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔